© rasailojaraid.com

ممکن نہ رہا تو انہوں نے علم و فکر کی راہ اختیار کر لی۔

امام ابوحنیفہ نے تن تنہا اپنے علم اور اپنے کردار اور اپنے ذاتی مال کے بل پر ایک ایسا عظیم الشان علمی و تحقیقی ادارہ قائم کیا ہے جس کے اثرات بعد کی ساری تاریخ پر چھا گئے۔ ان کی مجلس البرکۃ بیک وقت ایک درسگاہِ قانون بھی تھی، ایک دارالافتاء بھی، ایک ادارۂ تحقیقات (Research Academy) بھی، تدوینِ قانون کا شورائی ایوان بھی، تدریسِ فقہ کے درسی نصاب رکھنے والی کمیٹی بھی، غیر محسوس طور پر ٹھنڈے انقلابی شعور کو بیدار کرنے والا مرکز بھی، اور پھر سب سے بڑھ کر ایسے مردانِ کار کی تربیت گاہ بھی جو آگے چل کر افسرانِ عدلیہ (Judicial Officers) کی حیثیت سے حکومت اور عوام دونوں کے درمیان اپنا موقف سنبھالیں اور دونوں جانب اثر انداز ہو سکیں۔ میں نے جب امام والا مقام کے اس کثیر المقاصد (Multi Purpose) ادارے کی وسعتِ کار کا مطالعہ کیا تو اس اعتراف پر دل مجبور ہو گیا کہ ہماری تاریخ میں اتنی دوربینی سے اتنے بڑے پیمانے پر کم ہی کسی نے سوچا ہوگا اور ایسا طویل المیعاد، عمیق الاثر اور وسیع الظرف منصوبہ شاذ ہی اور کسی نے زیرِ عمل لیا ہوگا۔

علمی تیاری

امام ابوحنیفہ فارسی الاصل تھے۔ نسب نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہے[1]۔ کوفہ میں بہ سال سنہ ۸۰ھ پیدائش ہوئی۔ امام کو علمی راہ پر ڈالنے میں شہر کوفہ کے

[1] امام کے نسب کے متعلق بڑی متفرق و متضاد روایات ملتی ہیں۔ ان کے عقیدتمندوں اور ان کے مخالفین نے اپنے اپنے ذہن کے مطابق سوچا۔ کچھ لوگوں نے انہیں عربی الاصل ثابت کرنا چاہا چنانچہ ملا علی قاری کے بقول ان کا نسب انصار سے ملایا گیا ہے۔ ابو اسحٰق شیرازی نے امام کو بنی شیبان کے سلاطین کا خلف ظاہر کیا ہے۔ بعض لوگوں نے کیقباد اور کیخسرو اور فریدوں سے نسب ملایا ہے۔ ایک روایت کے بموجب آپ ہود علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ دوسری طرف امام کے آباء کا وطن کابل بھی بتایا جاتا ہے اور ہندوستان بھی۔ مورخ ابن خلکان نے ان کے دادا کا نام نعمان کے بجائے زوطی بن ماہ لکھا ہے اور علامہ شبلی کا خیال یہ ہے کہ زوطی جب اسلام لائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکر پرور ماحول کا بڑا دخل ہے جو علوم کا گہوارہ تھا۔ عہد فاروقیؓ میں (۱۷ھ) سرکاری حکم سے تعمیر کردہ شہر کوفہ میں حضرت ابنِ مسعودؓ کو میخانۂ علم کا ساقی بنا کر بٹھایا گیا۔ عہدِ عثمانؓ کے اواخر تک انہوں نے تعلیمِ دین کا اتنا کام کیا کہ چار ہزار علماء و محدثین تیار ہو گئے۔ حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لے گئے تو یہ سماں دیکھ کر پکار اُٹھے "اللہ تعالیٰ ابنِ مسعود کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس بستی کو علم سے بھر دیا۔" پھر سعید بن جبیر اور امام شعبی اور ابراہیم نخعی کے ہاتھوں ذہنی دنیا میں علم کی خوب ہی چمن بندیاں ہوئیں۔ کوفہ کا شرف تھا کہ بروایتِ عجلی کم از کم ۱۵۰۰ صحابہ جن میں ۷۰ بدری تھے یہاں آکر مقیم ہوئے۔ اسی گہوارۂ فقہ میں قاضی شریح جیسے جج نے پرورش پائی جنہیں حضرت علیؓ عرب کا سب سے بڑا قاضی کہتے تھے۔ عفان بن مسلم نے احادیث کے جواہر سمیٹنے کے لیے کوفہ کا سفر کیا اور چار ماہ کی مدت میں ایسی ۵۰ ہزار حدیثیں چھانٹ کر جمع کیں جو جمہور کے نزدیک مسلمہ تھیں۔ رجال کی کتابیں گواہ ہیں کہ صدہا راوی کوفہ کے باشندے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اپنا مجموعہ احادیث مرتب کرنے کے لیے کتنی ہی بار کوفہ کا سفر کیا۔

امام کے ایک قول کے بموجب (اگرچہ اس میں ایک پہلو قابلِ غور بھی ہے) ان کے والد

ہوں گے تو ان کا نام بدل کر نعمان قرار پایا ہو گا۔ زوطی (بہ فتحِ زا) سے یہ قیاس بھی کیا گیا ہے کہ امام کے آباء پنجاب کے جاٹوں (احادیث میں لفظ رجال الزط کا استعمال ہوا ہے) میں سے تھے۔ ان روایتوں کو جوڑ کر کہا جاتا ہے کہ امام کے خاندان کے بزرگ پنجاب سے کابل، کابل سے خراسان اور پھر وہاں سے کوفہ پہنچے۔ متعصب مخالفین جن کی ترجمانی خطیب بغدادی نے کی ہے۔ امام کے دادا کو موالیوں (بنی تیم کے آزاد کردہ غلام) میں شمار کرتے ہیں اور نو مسلم قرار دیتے ہیں اور المساجی کی مختلف فیہ روایات کو سہارا لیتے ہیں۔ اسی کی تائید علامہ شبلی نے کی۔ امام کے پوتے اسمٰعیل کی زیادہ اہم روایت، دونوں باتوں کی تردید کرتی ہے۔ وہ اپنے خاندان کا فارسی النسل ہونا اور امام کے دادا کا آزاد ہونا قسم کھا کر بیان کرتے ہیں نیز موصوف کے اسلام پر پیدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ علامہ کوثری نے مشکل الآثار کی ایک روایت سے ثابت کیا ہے کہ آپ کے دادا کو مولیٰ بہ معنی حلیف کہا گیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نانبائی تھے[1]۔ امام نے والد کے ترکہ میں دس ہزار درہم پائے تھے جن سے ریشمی کپڑے کا کاروبار کیا اور اسے پیمانۂ کبیر پر پہنچایا۔ ابتدا میں علم کلام سے دلچسپی تھی[2] کیونکہ دن رات پوری اسلامی مملکت میں اسی سے گرمئ محفل تھی اور سیاست کے شجرِ ممنوعہ ہونے کی صورت میں شعر و ادب اور ثقافتی سرگرمیوں کی طرح علم کلام بھی دماغی عیاشی کا بہترین ذریعہ تھا۔ بصرہ کے ساحلی شہر میں چونکہ باہر سے لوگ آ کر بحثیں چھیڑتے تھے (جیسے کہ ابوالہذیل العلاف کے ساتھ اسلام پر حملے کرنے والے ایک نو وارد یہودی نے بحث کی تھی[3]) اور علم کلام کا بازار رونق پر تھا اس لیے امام بار بار بصرہ جاتے اور عقود الجمان کی روایت کے مطابق ۲۰ سال تک خوارج، اباضیہ، صفریہ اور حشویہ کے خلاف مناظرہ آرائی کرتے[4] اور سال سال بھر متواتر قیام رکھتے۔ مناقب نگاروں کا کہنا ہے کہ اپنے دور میں اس علم کے رئیس بن گئے اور لوگوں کی نگاہوں کا مرکز۔ امام کی نگاہ میں اس علم و فن کی اہمیت اس لیے تھی کہ اس میں دین کی بنیاد (عقاید) سے گفتگو کی جاتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور جب نظامِ حق کی صبح تاباں بن کر سامنے آیا اور کتاب و سنت کے عملی تقاضوں کو اہمیت ملی تو ذوق بدل گئے۔ اس کا اثر یقیناً امام ابو حنیفہ تک بھی پہنچا ہوگا۔ ان کی طبیعت میں موفق مکی کے الفاظ کے مطابق ردِ عمل پیدا ہونے کا پہلا باعث تو یہ احساس تھا کہ کلامیوں کی نہ تو صورتیں اسلاف کی مانند تھیں، نہ ان کے طور طریقے صالحانہ تھے بلکہ دل سخت اور بے حس تھے، کتاب و سنت کے خلاف بھی زبانیں چلاتے اور ننگِ تقویٰ سے خالی تھے۔ (اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں)۔ اس احساس کے بعد انھوں نے جب مزید غور و تفکر سے کام لیا تو بڑی کام کی بات ذہن سے اُبھری۔ فرماتے ہیں:

"ایک مدت علم کلام کی بحثوں میں گزارنے کے بعد میں نے اپنے دل کو ٹٹولا اور سوچنا شروع

---

[1] مناقب موفق۔ ج ۱، ص ۱۶۲۔

[2] مقالہ: تدوینِ قانونِ اسلامی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ۔ ص ۲۵۔

[3] تاریخ خطیب بغدادی۔ ج ۳۔ ص ۳۶۶

[4] مقالہ: تدوین قانون اسلامی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ۔ ص ۲۵۔ حقیقت الفقہ۔ ص ۲۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا تو دل نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور تابعین جو گذر گئے ان لوگوں سے کوئی ایسی بات نہیں چھوٹی ہے جسے اب ہم پانا چاہتے ہیں۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔اس قسم کے مسائل کے متعلق تو انہوں نے جھگڑے کیے نہ مباحثے۔۔
۔۔۔۔۔ البتہ وہ شرائع و قوانینِ فقہ کے ابواب میں غور و فکر کرتے تھے، ان کے متعلق ہی باتیں کرتے تھے، باہم ان مسائل کے متعلق بیٹھ کر فکر و تامل فرماتے۔۔۔
۔۔۔۔۔۔ قرنِ اول اس حال میں گذرا جس میں سب سے پہلے اسلام لانے والے صحابہ اور ان کے تابعین گذرے" ؎۱

اسی ذہنی کیفیت میں تھے کہ ایک واقعہ فوری محرک بن گیا۔ آپ کے شاگرد زفر بن ہذیل نے خود امام سے روایت کیا کہ ایک دن میرے پاس ایک عورت آئی اور پوچھا کہ ایک شخص اپنی منکوحہ (جو باندی ہے) کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے، کیسے دے؟ میں کوئی جواب نہ دے سکا اور کہا کہ حماد بن ابی سلیمان کے پاس جاؤ (جن کا حلقۂ درس قریب ہی تھا) اور مسئلہ پوچھ کر مجھے بھی بتاتی جانا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ میں نے دل میں کہا کہ علم کلام کس کام کا ہوا، جوتے اٹھائے اور حماد کی خدمت میں فقہ پڑھنے جا پہنچا۔ ؎۲ پھر دس سال تک یہ سلسلۂ تعلیم جاری رہا۔ تاآنکہ حماد فوت ہو گئے (سالِ وفات ۱۲۰ھ)

امام اعظم کو صحابہ کا دورِ آخر ملا اور ان میں چار کو پایا ___ یعنی حضرت انس بن مالکؓ اور عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ کو کوفہ میں، سہیلؓ بن سعد الساعدی کو مدینہ میں اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ کو مکہ میں۔ ان کے علم کا سلسلۂ فیض حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت

؎۱ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ___ از مولینا مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ ص ۱۴۔
؎۲ ایک قول یہ ہے کہ امام کے سامنے ایک مجلس میں ایلاء کا ذکر آیا۔ انہوں نے کسی ساتھی سے پوچھا یہ ایلاء کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ اپنی کوتاہیِ علم کو محسوس کر کے حماد کے حلقۂ درس میں جا بیٹھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبد اللہ بن عباس سے ملتا ہے۔[1] امام کا سلسلۂ شاگردی نبی اکرمؐ تک ذیل کے واسطوں سے پہنچتا ہے۔ حضورؐ سے ابن مسعود الہذلی (ف: ۳۲ھ) نے، اُن سے علقمہ نخعی (ف: ۶۲) نے، اُن سے ابراہیم نخعی (ف: ۹۵ھ) نے، اُن سے حماد بن ابی سلیمان مولیٰ اشعری (ف: ۱۲۰ھ) نے اور اُن سے امام ابو حنیفہ (ف: ۱۵۰ھ) نے فیض حاصل کیا۔[2] امام جعفر صادق اور اُن کے والد امام محمد باقر کی بھی شاگردی کی۔[3] حضرت حماد کی نگاہ میں امام ابو حنیفہ اپنی ذہانت کی وجہ سے عزیز ترین شاگرد تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کے لیے پہلے تو ان کے صاحبزادے اسمٰعیل بن حماد کو سامنے لایا گیا مگر ان کا میدانِ ذوق دوسرا تھا، اس لیے انہیں ترک کر کے حماد کے تلامذہ پر نظر ڈالی گئی تو اکابر نے مشورہ دیا کہ یہ خزاز کا تاجر اچھا علم رکھتا ہے، اگرچہ نوجوان ہے۔ چنانچہ امام کوفہ کے عظیم ترین اُستادِ قانون کی مسند پر بیٹھے۔ اس سے ان کی قابلیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے یہیں سے قانونِ فقہ میں ان کی شہرت کا آغاز ہوا اور وہ ابن ہبیرہ کی نگاہ میں آ گئے۔

مگر علم کے منارہ کی چوٹی پر انہیں سفر حجاز (یا ہجرت کہیئے) نے پہنچایا۔ حجاز پہنچ کر انہیں بے شمار علمائے و محدثین کے قریب ہونے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا ندیں موقع ملا۔ انہوں نے جن اساتذہ سے فیض پایا ان کی تعداد امام ابو حفص بخاری نے ۴ ہزار بتائی ہے اور یہ سب صحابہ سے ملنے اور تعلیم پانے والے تابعین تھے۔ امام کا عام حلقۂ استفادہ وسیع تر تھا۔[4] عطا بن ابی رباح جیسے اُستاد کے حلقہ میں امام کو پایۂ اعزاز حاصل تھا اور خود امام بھی عطاء کی علمی شخصیت کو مرتبۂ اول پر رکھتے تھے۔ بہر حال علم کے کئی دریاؤں کو اپنے ساغرِ ذوق میں انڈیل لینے کے بعد حجاز ہی میں

---

[1] ترجمان السنۃ — از مولانا بدر عالم میرٹھی۔ ص ۲۶۶۔

[2] تدوینِ قانونِ اسلامی — از ڈاکٹر حمید اللہ۔ ص ۱۸۔

[3] 〃 〃 ۔ ص ۱۹۔

[4] ملاحظہ ہو: معجم البلدان۔ ج ۲، ص ۲۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود امام ابوحنیفہ کو اتنا شرف ملا کہ یاسین الزیات لوگوں سے کہتے کہ جاکر ابوحنیفہ کے پاس بیٹھو، حلال و حرام کا ایسا عالم پھر نہ ملے گا اور اس سے محروم رہے تو گویا بہت سارے علم سے محروم رہے ہے۔ؔ[۱] بروایت عمارہ بن محمد سماں یہ تھا کہ ابوحنیفہ مسجدِ حرام میں بیٹھے تھے اور مختلف قوموں کے لوگوں کا ہجوم تھا جو اطراف و اکناف سے آئے ہوئے تھے، ان سب کے سوالوں کا امام جواب دیتے اور فتویٰ بتاتے۔ یہی بات حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے مذکور ہے۔ بلکہ اس سے زائد یہ بھی کہ امام کی مجلس میں بڑے بڑے فقہاء اور برگزیدہ لوگ موجود تھے۔[۲] پھر امام کی بحثیں مختلف علماء سے رہتیں جن میں امام ابن جریج، امام مالک اور امام اوزاعی جیسی ہستیاں شامل تھیں۔

اس تیاری کے ساتھ امام اعظم نے وہ کثیر المقاصد ادارہ چلایا جس کے کام کا ایک اہم ترین پہلو "تدوینِ قانون" کے عنوان سے ہمارے سامنے ہے۔

تدوینِ قانون کی تحریک

معاشرہ میں اس ضرورت کا احساس تو پیدا ہو چکا تھا کہ قانون کا کوئی ایک نظام ہو، ورنہ قاضی ذاتی اجتہادات کے تحت ایک جیسے معاملے میں متضاد فیصلے دیتے رہے تو نظامِ عدالت پراگندگی اور انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں ہم ابن المقفع کی تجویز کا ذکر کر چکے ہیں۔[۳] بعید نہیں کہ خود ابن المقفع نے امام ابوحنیفہ کے حلقہ شاگرداں سے اس معاملے میں اثر لیا ہو۔ اس تجویز کا ایک پہلو خاصا خطرناک تھا۔ یعنی یہ کہ امیر المومنین ایک فرمان جاری کریں، مختلف لوگ احکام اور فیصلے مرتب کر کے دلائل کے ساتھ پیش کر دیں، پھر امیر المومنین اپنی رائے سے اس پورے ذخیرہ میں سے انتخاب کر لیں اور منتخب

---

[۱] مناقب موفق۔ ص ۳۸۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ص ۱۵۴۔

[۲] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ ص ۵۵۔

[۳] ضحی الاسلام۔ ڈاکٹر احمد امین مصری۔ ص ۲۱۸، ۲۱۹۔ چراغ راہ اسلامی قانون جلد نمبر ۲۔ حاشیہ ص ۲۶۶۔ تدوینِ قانونِ اسلامی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ۔ ص ۳۲۔ القضاء فی الاسلام۔ از محمد بن محمود بن یونس۔ ص ۸۵۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ ص ۳۰۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام اور فیصلوں کو جاری فرمادیں جن کے خلاف فیصلہ کرنا عدالتوں کے لیے ممنوع ہو۔ ؎۱ گویا اسلامی قانون کی وضاحت طے کرنا مطلق العنان فرمانرواؤں کے ہاتھ میں چلا جائے اور شریعت وہ قرار پائے جسے قصرِ اقتدار شریعت قرار دے۔ (اس کے الفاظ میں: "وَالْفُقَهَاءُ لَيْسَ لَهُمْ وَضْعُ قَوَانِيْنَ" یعنی قانون بنانا فقہا کا کام نہیں بلکہ بادشاہ کا ہے)۔ ؎۲ اگر یہ تجویز چل جاتی تو اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اس حادثہ کے اثرات و نتائج کہاں تک پہنچتے۔ مگر ہزار بگاڑ کے باوجود عباسی فرماں روا یہ خوب جانتے تھے کہ شریعت اور اسلامی قانون کے بارے میں وہ اتھارٹی نہیں ہیں اور ان کے طے کردہ قانون کا جوا چار و ناچار کوئی اٹھا بھی لے تو اسے شریعت کبھی نہیں مانا جاسکتا۔ باوجودیکہ وہ ادوارِ مابعد اور زمانۂ حال کے حکمرانوں کی طرح علم دین سے کورے بھی نہ تھے بلکہ وہ اس حد تک آراستہ تھے کہ جب فقہ حنفی کے مخالف علمائے مرو کا وفد نضر بن شمیل کی سرکردگی میں مامون سے ملا اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ فلاں فلاں مسائل میں امام ابوحنیفہ نے کتاب و سنت کی خلاف ورزی کی ہے تو بجائے حنفی قاضی خالد بن صبیح کے خود مامون ہی نے ان کی پیش کردہ دلیلوں کو ایسی حدیثوں سے توڑا جن سے خود ارکانِ وفد بے بہرہ تھے۔ ؎۳ مگر یہ بات ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزرتی تھی کہ محض برسرِ اقتدار ہونے کی وجہ سے وہ اتنے عقلِ کُل ہیں کہ دین و شریعت کے معاملہ میں لوگوں کے لیے اتھارٹی اور مرجع ہو سکتے ہیں۔ وہ کوئی بھی قدم اٹھاتے ہوئے اور قانونِ شرعی کا تعین کرتے ہوئے علما ہی سے استفتا کرتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی ان کا عندیہ یہ ہوتا تھا کہ اہلِ علم ان کی رائے کے موافق کوئی راہ نکال لیں اور ان کو ایسے دماغ مل بھی جاتے

؎۱ چراغ راہ کا اسلامی قانون نمبر ج ۲، ص ۴۸۹۔

؎۲ تصور کچھ ویسا ہی تھا جیسے پرویز صاحب کے ہاں "مرکزِ ملت" کا ہے۔

؎۳ مناقب موفق۔ ج ۲، ص ۵۶۔ (واضح رہے کہ ہارون نے مامون کو باضابطہ فقہ حنفی کی تعلیم دلائی تھی)، اسی طرح المسعودی شاہد ہے کہ ہادی نے بچوں کو حدیث پڑھائی تھی۔ حاشیہ بر کامل ابنِ اثیر ج ۸، ص ۹۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتے جو آلۂ کار بن سکیں سا اسلامی قانون کے ماہرین کو تو وہ اپنے ساتھ لینے اور نظامِ حکومت میں شریک کرنے کے لیے بے چین تھے، کجا کہ وُہ خود اجتہاد و تفقہ کی مسند پر براجمان ہوتے اور علماء کو معاشرہ میں ایک شئے زائد بنا کر پھینک دیتے۔ مامون کے دَور میں تو قصرِ اقتدار میں مجلسِ بحث و نظر کا تجربہ بھی ہو گیا تھا۔ مگر کسی طرح بھی وہ مجلس علماء و فقہا کی جگہ نہ لے سکی یوں بھی اقتدار وہی مضبوط ہوتا ہے کہ جو علم کو اپنے ساتھ لے، نہ وہ جو علم کو ٹھکرائے اور اس کے خلاف جبر کا محاذ کھڑا کر دے۔ جو حکومت اربابِ علم و فکر سے بے نیاز ہو کر چلنا چاہتی ہے اُس کی جڑیں جمہور کے قلوب میں نہیں اترتیں۔ جب سیاسی قوت اور علم و فکر ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے چلتے ہیں اور قلم تلوار سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے تو لازماً ایک مستحکم نظام نمودار ہوتا ہے۔ پس ابن المقفع کی تجویز کا یہ جزء تو درخورِ اعتنا نہ بنا کہ علم کی سلطنت میں بھی قولِ فیصل حکمران کا قول ہو، البتہ منضبط و مدون نظامِ قانون کی ضرورت کا احساس دربار کو بھی بہ شدت ہونے لگا۔

آگے چل کر جب مدون قانون کے بغیر کام چلانا مشکل ہو گیا تو دربار کا یہ احساس باقاعدہ ایک تقاضے کی صورت اختیار کر گیا۔ ابو جعفر منصور ۱۴۸ھ میں حج کے لیے گیا تو امام مالکؒ سے خواہش کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو تمام مسلمانوں کو آپ کی فقہ پر جمع کر دیا جائے۔ ۱۶۳ھ میں دوبارہ حج کو گیا تو پھر درخواست کی۔ مگر امام نے نہیں مانا۔[۱] منصور کے اپنے الفاظ دیکھیے:-

"اے ابو عبداللہ! آپ علمِ فقہ کو ہاتھ میں لیجیے اور اس کو الگ الگ ابواب کی صورت میں مدون کر ڈالیے۔ عبداللہ بن عمر کے تشددات، عبداللہ بن عباس کی رخصتوں اور عبداللہ بن مسعود کی انفرادیات سے بچتے ہوئے ایک ایسا ضابطہ مدون کیجیے جو خیرالامور اوساطھا کے اصول پر مبنی ہو اور جو ائمہ اور صحابہ کے

---

[۱] ضحی الاسلام۔ از ڈاکٹر احمد امین مصری (بحوالہ طبقات ابن سعد) ج ۱، ص ۲۲۶۔ تدوینِ قانونِ اسلامی از ڈاکٹر حمید اللہ۔ ص ۹ (بحوالہ مقدمہ شرح موطا و زرقانی)۔ حیاتِ مالک۔ ص ۴۵۔ چراغِ راہ اسلامی قانون نمبر ج ۲، ص ۳۶۷ (حاشیہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متفق علیہ مسائل کا مجموعہ ہو۔ اگر آپ نے یہ خدمت انجام دے دی تو انشاء اللہ آپ کی فقہ پر ہم مسلمانوں کو مجتمع کر دیں گے اور اس کو تمام مملکت کے اندر جاری کر کے اعلان کر دیں گے کہ کسی حال میں اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔" [1]

اگرچہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر یہ تحریک اثر انداز ہوئی اور اسی کے تحت اُنہوں نے موطا مرتب کر دی کہ مسلمانوں کی اہم ترین اجتماعی ضرورت پوری ہو مگر وہ اس پر کسی حال میں راضی نہ ہوئے کہ پوری مملکت کے لیے یہی واحد کتاب قانون مقرر ہو جائے۔ منصور جو امام مالکؒ کو "اعقل الناس و اعلم الناس" مانتا تھا، اس کے اصرار کے جواب میں امام مالکؒ نے بطور عذر یہ دلیل دی کہ:

"امیر المومنین! آپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کیجئے۔ دیکھئے! مسلمانوں کے پاس مختلف علماء کے اقوال پہلے سے پہنچ چکے ہیں۔ وہ حدیثیں سُن چکے ہیں اور روائتیں روایت کر چکے ہیں، لوگوں کے پاس جو بات پہلے پہنچ چکی ہے اس پر وہ عمل پیرا ہو چکے ہیں اور اسی کو اپنا دین بنا چکے ہیں۔ پس جس علاقے کے باشندوں نے جو باتیں اختیار کر لی ہیں اُن کو انہی کے حال پر چھوڑ دیجئے۔" [2]

کتنی خدا ترس اور محتاط مبنی ہے کہ دیانتہً علم کے دائرے میں جن احکام کو امام نے اپنی جگہ قطعی حق سمجھ کر موطا قلمبند کی، ان کا بزورِ اقتدار مختلف الخیال لوگوں پر ٹھونسا جانا پسند نہ کیا۔ انہوں نے فقہ و قانون کے دائرے میں ہر کسی کے لیے اختلاف کا حق باقی رکھنا چاہا۔ پھر یہ دیکھئے کہ کتنے بڑے اعزاز اور مفاد کو رضائے الٰہی کے لیے ٹھکرا دیا۔ وہ نظریہ اور وہ علم کیا ہوا جس کا سکہ

---

[1] ماہنامہ چراغِ راہ اسلامی قانون نمبر۔ ج ۲، ص ۲۶۲/۲۹۰ھ۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم ص ۲۹۰-۲۹۱ (بحوالہ دیباج المذہب)

[2] ماہنامہ چراغِ راہ اسلامی قانون نمبر۔ ج ۱، ص ۴۶۷ (حاشیہ)۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۲۹۱ (بحوالہ میزان الکبریٰ شعرانی)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلے تو جبر سے چلے اور جو محض اپنی لمعانی و تابانی کے زور سے دلوں کو مسخر کرے۔ اور امام مالکؒ کا علم اقتدار کی تائید کے بغیر دلوں کو مسخر کرتا چلا گیا اور مؤطا جسے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ "اصح کتب الفقہ واشہرھا واقدمھا واجمعھا (کتب فقہ میں سے صحیح ترین، مشہور ترین، مقدم ترین اور جامع ترین) قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "امروز ہیچ کتاب از کتب فقہ اقوی از موطا نیست" وہ قصیدۂ سعدوں کے اس شعر کی مصداق بن کے رہی کہ ؎

دَعْ لِلْمُوَطَّا كُلَّ عِلْمٍ تُرِيْدُهٗ
فَاِنَّ الْمُوَطَّا الشَّمْسُ وَالْعِلْمُ كَوْكَبُ

(دوسرے ہر علم کی خواہش کو موطا پر نثار کر دے کیونکہ باقی سارے علوم ستارے ہیں اور موطا سورج ہے) [۱]

منصور کے بعد اس کوشش کو مہدی نے بھی جاری رکھا۔[۲] مہدی مدینہ منورہ آیا تو ۲ ہزار اشرفیاں امام مالک کو بھجوائیں۔ اس کا حاجب دوبارہ حاضر ہوا اور مہدی کا پیغام دیا کہ آپ اُن کے ساتھ بغداد چلیے۔ امام نے اشرفیوں کے توڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حاجب سے کہا: "المال عندی علی حالہا" (یعنی واپس لے جا سکتے ہو) اور ساتھ ہی حدیث پاک کے الفاظ پڑھ دئے: "المدینۃ خیرٌ لھم لو کانوا یعلمون"۔[۳]

مہدی کے بعد ہارون نے پھر یہ مسئلہ اٹھایا اور امام مالکؒ سے اجازت چاہی کہ مؤطا کو کعبہ میں آویزاں کر دیا جائے۔[۴] مؤطا سے ہارون کی دلچسپی اور امام مالکؒ کے لیے جذبۂ احترام

---

[۱] مسوّی و مصفّی شرح مؤطا از حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مقدمۂ کتاب (ذکر فضیلتِ مؤطا)

[۲] ضحی الاسلام۔ از احمد امین مصری ج ۱، ص ۲۲۰ (بحوالہ طبقات ابن سعد) تدوینِ قانونِ اسلامی۔ از ڈاکٹر حمید اللہ ص ۹ (بحوالہ مقدمہ شرح مؤطا زرقانی) حیاتِ مالک۔ ص ۶۲۔ الندوہ ص ۱۲۸۔ چراغِ راہ اسلامی قانون نمبر ج ۱۔ ص ۲۶۷ (حاشیہ)

[۳] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ ص ۱۹۳۔ (بحوالہ المعجم المصنفین۔ ج ۲، ص ۲۲۶)

[۴] حیات مالک ص ۶۶۔ ضحی الاسلام۔ از ڈاکٹر احمد امین مصری۔ ج ۱، ص ۲۲۰۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا عالم یہ تھا کہ ہارون مدینہ آیا تو وزیر جعفر برمکی کے ذریعے پیغام بھیجا کہ آپ مؤطا لا کر مجھے سنائیں۔ امام نے جواباً کہلا بھیجا کہ علم کسی کے پاس نہیں جایا کرتا، لوگ علم کے پاس آتے ہیں۔ اس کے بعد امام خود ہی ہارون سے ملنے چلے گئے۔ ہارون نے اپنے پیغام کا ذکر کر کے گلہ کیا۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہت و اقتدار سے نوازا ہے، اب اگر آپ ہی علم کی عزت کو غارت کریں گے تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کی عزت کو برباد نہ کر دے۔ اس پر ہارون موطا سننے کے لیے آپ کے ساتھ ہو گیا۔ امام نے ہارون کو مسند پر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ اُس نے کہا کہ آپ ہی موطا پڑھ کر سنائیے۔ امام نے فرمایا کہ عرصہ سے میں پڑھ کر سنانا چھوڑ چکا ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا دوسرے لوگوں کو نکال دیجئے تاکہ میں آپ کو تنہائی میں پڑھ کر سناؤں۔ امام نے فرمایا کہ اگر خواص کی خاطر عوام کو علم سے محروم کیا جائے تو پھر خواص کے لیے اس میں نفع نہیں رہتا۔ آخر امام کے حکم سے معن بن عیسیٰ قرأت شروع کرنے لگے تو امام نے ہارون سے فرمایا کہ اس شہر میں اہلِ علم کا دستور یہ ہے کہ وہ علم کے لیے تواضع کرنا پسند کرتے ہیں۔ ہارون فوراً مسند سے اُترا اور فرش پر بیٹھ کر ادب سے موطا سننے لگا۔[۱]

یہ منازل تھیں جنہیں ہارون نے اس غایت سے سر کیا کہ حکومت کے ہاتھ میں مدینہ النبیؐ کے مستند اور معتمد علیہ محدث و فقیہہ کی مرتب کردہ کتابِ قانون آجائے۔ اقتدار کوچۂ علم میں سر کے بل چل کے پہنچا۔ مگر امام اپنی اُسی سوچی سمجھی ہوئی دلیل کی بنا پر مؤطا کو اقتدار کے ہاتھ میں دینے پر تیار نہ ہوئے۔

اتنی داستان ہم نے اس لیے بیان کی کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ معاشرہ میں ایک منضبط کتابِ قانون کی ضرورت کا شدید احساس ایوانِ ادب سے لے کر قصرِ اقتدار تک ہر جگہ پیدا ہو چکا تھا اور متواتر تین فرماں رواؤں نے اسی غرض کے لیے امام مالکؒ کے دروازے پر دستک دی۔ اس ضرورت کو شاید امام ابو حنیفہؒ نے دوسروں سے ذرا پہلے اور خوب اچھی طرح

[۱] ترجمان السنۃ۔ از مولانا محمد بدر عالم میرٹھی۔ ص ۲۴۲، ۲۴۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محسوس کر لیا تھا اور پھر اس کے احساس کی مزید آبیاری بھی ان کے نظریات اور ان کے کام سے ہوتی رہی۔

فی الحقیقت اسلامی قانون کی تدوین کا اہم کام خود دورِ نبوت ہی میں شروع ہوا، مگر وہ چند ہدایت ناموں اور ضابطوں پر مشتمل تھا۔ [1] اسی طرح اس کام میں کچھ اضافہ خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمرؓ کے بعض مکاتیب اور تحریری فرمانوں سے ہوا۔ علاوہ بریں حضرت علیؓ (جو افتاء اور قضا پر مامور رہ چکے تھے) کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ حضرت ابنِ عباسؓ (ف: ۶۸ھ) کے سامنے پیش کیا گیا۔ پھر امام زید بن علی کی طرف اسلامی فقہ و قانون کے موضوع پر کتاب المجموع کے نام سے ایک کتاب منسوب ہے جو نایاب ہوگئی۔ [2] زرقانی کے بقول حضرت امام مالکؒ سے پہلے امام ابن الماجشون (ف: ۱۶۴ھ) نے مؤطا مرتب کی اور اس میں احادیث کو فقہی ابواب کے مطابق درج کیا۔ عجیب بات ہے کہ اسی زرقانی کے حوالے سے گولڈ سیہر (مستشرق) نے سب سے پہلی مؤطا کو العامری محمد بن عبدالرحمٰن (ف: ۱۵۹ھ) مشہور بہ ابن ابی ذئب سے منسوب ٹھہرایا ہے۔ [3]

یعنی تدوینِ قانون کی ضرورت بھی پہلے سے تھی اور کام بھی پہلے سے ہو رہا تھا۔ مگر اب یہ ضرورت اس وجہ سے ایک نئی شکل میں سامنے آئی کہ اسلام کے دور دور تک پھیل جانے، نئی نئی قوموں اور نسلوں کے مسلمان ہو جانے، فکری رہنمائی دینے والے مرکزی عنصر کے بکھر جانے اور مختلف نقطہ ہائے نظر کے ابھر آنے کی وجہ سے ایک انتشار پیدا ہونے لگا۔ معاملہ کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ نئے نئے حالات و مسائل کا سامنا تھا اور احکام کو از سرِ نو منطبق کرنے کے لیے اجتہادی کاوشوں کی ضرورت تھی۔ علمائے حق کی نگاہ میں بڑے پیمانے پر تدوینِ فقہ کی ضرورت ایک اور وجہ سے بھی تھی اور وہ یہ تھی کہ اقتدار اور علم کے درمیان ایک طرف اور بیرونی اثرات اور

[1] تدوینِ قانونِ اسلامی ۔ از ڈاکٹر حمید اللہ ۔ ص ۲۰، ۲۱

[2] ایضاً ۔ ص ۲۱۔ [3] ایضاً ۔ ص ۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملت کی دینی رَوش کے مابین۔ دوسری طرف، جو کشاکش بنو امیہ کے دور سے شروع ہو کر اب تیز تر ہو چکی تھی اور اس سے نجات پانے کے لیے دو تین مساعیٔ انقلاب ناکام ہو چکی تھیں، اس سے عہدہ برآ ہونے اور اسلامی قانون کو اس کی لپیٹ میں آنے سے بچانے کے لیے نہایت ضروری تھا کہ قانون کے تمام اجزا کو سینوں سے سفینوں میں منتقل کر دیا جائے اور اسے مکمل نظام اور سسٹم کی شکل میں مدون کر دیا جائے۔

ملت کی یہ عظیم خدمت تھی جسے حضرت امام ابو حنیفہ نے عہدہ و جاہ سے اپنے آپ کو کنارہ کش رکھ کر اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ اگر عہدہ قبول کر لیتے تو مطلق العنان اقتدار انہیں پوری طرح نگل کر ہضم نہ بھی کر لیتا تو اس صورت میں بھی یہ کارنامۂ زریں ہرگز انجام نہ پا سکتا۔ جو دوسری صدی کے آغاز سے وسط تک جاری رہا۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ مطبوعات)

قرآن مجید کی کچھ سورتوں کا مطلب یہ کتاب سورۂ فاتحہ اور آخری ۱۹ سورتوں کے ترجمہ و تشریح پر مشتمل ہے۔ مصنف پہلے مختصر طور پر سورۃ کا مطلب بیان کر دیتا ہے اور پھر اس کا لفظی ترجمہ نقل کر دیتا ہے۔ سورتوں کا عربی متن درج نہیں کیا گیا۔ ترجمہ و تشریح میں بظاہر کوئی نقص یا عیب نظر نہیں آیا۔ البتہ عربی متن کو ساتھ شامل نہ کرنا درست نہیں ہے۔ مصنف (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) اردو قرآن کو رائج کرنے کے اسکیم رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے تنزل اور اسلام سے بُعد کا سبب یہ تھا کہ قرآن عربی میں ہے اور لوگ عربی قرآن کو سمجھتے نہیں ہیں۔ اس لیے قرآن کی دعوت کو عورتوں اور بچوں تک عام کرنے کے لیے اردو قرآن کو رواج دیا جائے۔ لیکن مصنف کا یہ نظریہ انتہائی خطرناک ہے۔ عربی قرآن میں تحریف کی گنجائش نہیں ہے مگر اردو قرآن کو تحریف و تغیر سے کون محفوظ رکھ سکے گا۔ افسوس ہے کہ مصنف کی یہ محنت قرآن کی صحیح خدمت نہیں قرار دی جا سکتی۔ کتاب ٹائپ پر خوبصورت گٹ اپ کے ساتھ چھپی ہے اور مرحوم کے اوقاف سے مفت تقسیم کی جا رہی ہے ملنے کا پتہ درج نہیں ہے۔ ناشر سید جمیل حسین رضوی لاہور ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

علم غیب، حاضر و ناظر، اور سجود لغیر اللہ کے مسائل

سوال:- تفہیم القرآن زیر مطالعہ ہے۔ شرک کے مسئلہ پر ذہن اُلجھ گیا ہے۔ براہِ کرم رہنمائی فرمائیں۔ تفہیم القرآن کے بغور مطالعہ سے یہ امر ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں عالم الغیب ہونا اور سمیع و بصیر ہونا جس کے تحت ہمارے مروجہ الفاظ حاضر و ناظر بھی آجاتے ہیں (یعنی شامل ہیں)۔ خدا کے سوا کسی کو بھی ان صفات سے متصف سمجھنا شرک ہے۔ اور حقوق میں سجدہ، نذر، رکوع وغیرہ بھی ذات باری سے مختص ہیں۔ شرک کو خداوند تعالیٰ نے جرم عظیم اور ناقابل معافی گناہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے جرم کا وہ خود کسی کو حکم نہیں دے سکتا۔ مگر فرشتوں کو آدمؑ کے لیے سجدہ کا حکم دیا۔ اسی طرح کوئی نبی نہ تو شرک کرتا ہے اور نہ کرواتا ہے۔ مگر حضرت یوسفؑ کے سامنے ان کے بھائیوں اور والدین نے سجدہ کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سجدہ غیر اللہ کے لیے شرک ہے تو مندرجہ بالا واقعات کی کیا توجیہہ ہوگی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ علم غیب اگر خداوند تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے تو یہ کسی بھی مخلوق میں نہ ہونی چاہیے۔ لیکن قرآن و حدیث اس امر پہ دلالت کرتے ہیں کہ انبیاء و رسل کو علم غیب ملتا ہے۔ پھر کسی مخلوق میں یا کسی فرد میں اس صفت کو ہم تسلیم کریں تو مرتکب شرک کیوں ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کا علم دے رکھا تھا تو آخر اسے مشرک کیوں کہا جائے؟ بعض لوگوں کے خلاف اسی بنا پر شرک کے ارتکاب کا فتویٰ لگایا جاتا ہے۔ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت علم غیب کو

© rasailojaraid.com